



محدث فتویٰ
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قربانی حجاج کرام سے تشبیہ ہے۔؟

الحجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، أما بعد

یہ تو تھی رسول اللہ ﷺ سے قربانی کے قلبی و عملی ثبوت کی بحث اور یہ ایک مومن کے لیے سمعنا و اطعنا کہنے کو بالکل کافی ہے۔ لیکن اس موضوع پر گفتگو صرف ایک مشک ثبوت اور ضابطہ کی کاروائی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ اسلام میں قربانی کے اجرا کا جو پس منظر صدر میں بیان کیا گیا ہے اسے اگر نگاہ میں رکھیں تو یہ بات بڑی صحیح اور وجدان و فطرت کا عین تقاضا نظر آتی ہے کہ قربانی کا یہ حکم حجاج کی تعداد تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ پوری امت مسلمہ جس کی اکثریت حج کی استطاعت نہیں پاسکتی، اس سبھی کو اسلام کا مل کارمز رکھنے والے اس عمل سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ بالفاظ دیگر اگر ابراہیمی انداز کی قربانی ہی وہ عمل ہے جس سے اسلام کی اصل کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور اسی عمل کو اپنے کرنے کی حد تک کر گزرنے پر ابراہیمی کیش و ملت کو اسلام کا نام ملا۔ تو اس کیش و ملت کے پیروں میں اس کی حقیقی روح سدا برقرار رکھنے کے لیے اگر یہ مناسب اور تقاضائے عقل و فطرت تھا کہ اس جذبہ ابراہیمی کا کوئی رمز ملت ابراہیمی میں مستقل طور سے ودیعت کر دیا جائے اور کوئی ایسا عمل جو اس جذبے اور شیوہ تسلیم و رضا کا غماز ہو، مشروع کر کے مستقل جزو ملت بنا دیا جائے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے جذبہ فدائیت (تشریح کو حجاج ہی تک محدود رکھا جانا۔ جن کی تعداد اور امت مسلمہ کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے بڑی تھوڑی تھی۔ دل کتنا ہے کہ بالکل یہی ہونا چاہیے تھا کہ اگر حجاج کو دس یا توں سے اپنے امام اپنے پشوا (ابراہیم کے اظہار کی سعادت ملے وہ بلیک کتے ہوئے معبود کے در اقدس پر پہنچیں، اس کے گھر کا طواف پر طواف کر کے اپنا پورا وجود بشار کر دینے کا اشارہ کریں، حجر اسود کو چوم کر آنکھوں سے لگا کر چشم تصور میں خود اس کی دست بوسی کریں اور انشک ہائے عہدیت کی نذر تار کر تسلیم وفا کا بحر پورا اظہار کریں، کبھی ملتزم سے چمٹ کر روئیں اور گڑگڑائیں اور کبھی صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں کہ اسے رب ابراہیم! تو کہاں ہے؟ کہ اب یہ سرد بال دوش اور دم تیرے قدموں پر نکلنے کے لیے بے تاب ہے۔ کبھی عرفات کے میدان میں حسرتیں نکالنے کی کوشش کریں، اور پھر بھی تسکین تمنانہ ہو تو مٹی یا پتھریں اور اپنے امام پشوا کی اقتدا میں کسی دوسری ہی جان کا نذرانہ پیش کر کے ایک گونہ تسکین کا سامان مہیا کر لیں۔ بے شک یہ اتنا بہت تو حجاج ہی کا حصہ ہے۔ ہم نہیں پہنچ سکے تو بلیک بلیک کیا کہیں؟ خانہ کعبہ ایک ہی ہے تو اس دورہ کر طواف کا ہے کہ اس ملتزم ہمیں نصیب نہیں حجر اسود سے ہم دور کہ دست بوسی کا رمز پیدا کر سکیں، صفا و مروہ کے دامن تک ہمیں رسائی نہیں کہ جوش جنون دکھا سکیں لیکن دل کتنا ہے کہ اگر حجاج کو یہ دس باتیں نصیب ہیں تو وہ ہم بے نصیبوں کے حصہ میں بھی آ جانی چاہئیں، ہم ہزار گناہ دست و شکستہ پاسی کہ اپنے امام و پشوا کی اذان حج پر بلیک نہ کہہ سکے مگر امت مسلمہ میں تو ہم بھی ہیں ہمارے اندر بھی اسلام کی حقیقی روح برقرار رکھنے کا کچھ نہ کچھ سامان ضروری ہے۔ دل کی یہی آواز اور امت مسلمہ کی فطرت کی یہی خاموش پکار تھی۔ جس کے جواب میں خدا نے اپنے رسول کے ذریعے اعمال حج کا ایک حصہ اور حجاج سے ایک گونہ تشبہ کا سامان پوری امت کو بقدر استطاعت نصیب فرما دیا۔

حج والی قربانی کو حج سے باہر بھی جاری کرانے کا یہی فلسفہ ہے جسے عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور فطرت بھی اس کی معقولیت پر شہادت دیتی ہے۔ ہم میں سے ارباب استطاعت کو موقع دیا گیا (فہم کی اصطلاح میں وجود کے لیے یا سنت) کہ وہ اپنے گھروں ہی پر رہتے ہوئے ابراہیم خلیل اللہ کی سنت قربانی کو ہر سال تازہ کر کے اس مرموز جذبہ ابراہیمی کی زندگی اور تازگی کا سامان کریں جو اسلام کی اصل اور اس کی روح و جان ہے۔ باقی کو بھی محروم نہیں رکھا گیا کہ عرفات کا والہانہ اجتماع نماز عید کی متبادل شکل میں عطا کر دیا گیا اور ایسا نہ ہو کہ جو نہ قربانی کر سکے نہ عید کی نماز میں پہنچ سکیں وہ ملت اسلامی کی تاسیس کے ان تار تخی ایام میں جو روح اسلام کی بالیدگی کے لیے قدرتی طور پر نہایت سازگار ہیں۔ اس روح کی آب یاری کے کسی سامان سے بالکل ہی محروم رہ جائے، اس لیے تیسری آسان ترین چیز عطا کی گئی کہ 9 ذی الحجہ سے 13 ذی الحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد اللہ کی تکبیر و تحمید کا غلغلہ بلند کرو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا ایلہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ اکبر وللہ النحر

پس اللہ کی رحمت اور سلام اس نبی پر جس کے صدقہ میں پوری امت مسلمہ کو اپنے امام و پشوا کی سنت نصیب ہوئی۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر بہ اونہ رسیدی تمام یولیسی ست

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ محمدیہ

